الایام: مجلس برائے تحقیق اسلامی تاریخ وثقافت، کراچی جلد:۳، شمارہ:۲، جولائی۔دسمبر ۲۰۱۲ء

فقہ اسلامی، آغاز وارتقاء

زیبا افتخار

Emergence and Evaluation of Muslim Jurisprudence

Unlike logic, philoshophy and medicine *Islamic Jurisprudence* is purely a Muslim science, based upon Quran and Sunnah. *Ilm-e-Fiqa* (Muslim jurisprudence) emerged during the period of Holy Prophet and reached its zenith during 3rd century hijra/ 9th century A.D. In this paper emergence and evaluation of Islmaic fiq is discussed with analysis about *Taqlid* and possibility of *Ijtehad* in modern times.

مختلف علوم کے سلسلے میں اگر ایک طرف قدیم یونان کو علمِ فلسفہ اور منطق اور ہندوستان کو علم طب میں یکتائی کا دعویٰ ہوسکتا ہے تو بلاشبہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ ناز اپنے علم فقہ یا علم تشریع پر ہوسکتا ہے جس کی ایک طویل اور مبسوط تاریخ ہے اور جس سے اس میدان میں مسلمانوں کی صلاحیتوں کی کمیت اور ماہیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

فقہ خالص اسلامی اصطلاح ہے اور یہ لفظ قانون کے مترادف مستعمل ہے۔ درآں حالیکہ انگریزی لفظ قانون (Law) عربی لفظ فقہ (Jurisprudence) کو محیط نہیں ہے۔ قانون کے بارے میں دو آراء یکساں مقبول رہی ہیں۔ ایک خالص انسانی نظریہ ہے، جبکہ دوسرا الہامی نظریہ ہے۔ انسانی نظریئے کے حوالے سے چونکہ انسان مدنی الطبع ہے، اس لئے اس کے لئے اجتماعی زندگی ناگزیر ہے، اور اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ قوانین اور شرائع، معرض وجود میں آئیں، تاکہ ایک معاشرے میں رہنے والے افراد کے باہمی مخاصمات کا ان کے مطابق فیصلہ ہو سکے۔ اجتماعی زندگی میں باہمی معاملات لازمی ہوجاتے ہیں، جو آپس کے تعلقات کو جنم دیتے ہیں، اور پھر انہی تعلقات سے نزاعات اور مناقشات بھی پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ایسے قوانین ضروری ہوگئے جن کے ذریعہ سے ہر فرد کے حقوق و فرائض کا تعین ہوجائے اور جن کے ذریعہ سے باہمی نزاعات کی روک تھام کی جا سکے۔

انسانی قوانین، اقوام عالم کی تمام پرانی عادات و رسومات کا ایک مخلوط مجموعہ ہیں۔ ابتدائی دور میں چونکہ انسانوں کی زندگی سادہ تھی، لہٰذا ان کے رسوم و عادات بھی سادہ تھے، اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلے کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا۔ جب تمدن نے ترقی کی تو اس سے معاشرے کے حالات بھی بدلے اور انسانوں میں مختلف قسم کے تعلقات و روابط بھی پیدا ہوئے، ان میں پیچیدگیاں اور دشواریاں بھی پیش آنے لگیں۔ چنانچہ حقوق انسانی کی حفاظت کے لئے وضع قوانین کی ضرورت پیش آئی، پھر یہ قوانین دوسری عادات اور رسومات سے الگ ہونے لگے۔ سردار قبیلہ کی جگہ حکومت نے لے لی اور وہی تنفیذ قوانین کا کام انجام دینے لگی۔

دوسرا نظریہ خالص الہامی ہے۔ قرآن مجید، قانون اسلامی کے ارتقا کی تاریخ اس طرح بیان کرتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کی آمد کے ساتھ ہی قانون کا بھی آغاز ہوا۔ دنیا کے سب سے پہلے انسان اور اللہ کے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو قانون اسلامی کی تعلیمات دیں اور یہ تعلیمات انہوں نے آگے اپنی اولاد میں پھیلائیں۔ قرآن مجید نے اس قانون کی حکمت اور ضرورت یہ بیان کی کہ انسان صحیح زندگی بسر کرنے اور دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے کے لئے ان قوانین کا محتاج تھا اور ان کے بغیر اس کی قوتوں اور قابلیتوں کی تربیت اور زندگی کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی۔

قرآن پاک میں کئی جگہ ایسے اشارے ملتے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی علوم اور اسلامی

قوانین میں ابتداء سے لے کر انتہا تک یکسانی اور ہم رنگی ہے اور ان کی نوعیت شروع ہی سے ایسی ہے کہ ان پر ایک آخری اور کامل شریعت کی عمارت تعمیر ہو سکے۔

﴿شرع لکم من الدین ما وصیٰ بہ نوحا والذی او حینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ ہ﴾ (سورۃ الشوریٰ، ۴۲:۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کیا، جس کا نوحؑ کو حکم دیا، اور پھر وہی حکم ہم نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو بھیجا، اور اسی دین کا حکم ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا۔

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں کا قصہ بیان کیا ہے جس میں ضمناً اس شریعت کے بعض قوانین پر روشنی پڑتی ہے جو ابتدائی عہد میں اولاد آدم کی ہدایت کے لئے اتاری گئیں تھیں۔ مذکورہ آیت سے گزشتہ شریعت کے چند احکامات اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً

☆.....اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی۔

☆.....لوگوں کا عقیدہ تھا کہ قربانی صرف انہی لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

☆.....قتل نفس ایک بہت بڑا گناہ تھا، اور معاشرے میں ناپسندیدہ بھی، چنانچہ جب حضرت آدم کے بیٹے ہابیل نے قابیل کو قتل کر دیا تو قانون کے ڈر سے اسے چھپانے کی کوشش کی۔

☆.....یہ قانون بھی موجود تھا کہ اگر کسی شخص کے ہاتھوں اپنے نفس کی مدافعت میں خون ہو جائے تو مدافعت کرنے والے پر اس کے خون کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ (سورۃ مائدہ: ۲۷ تا ۳۱)

اپنی اس بھیجی ہوئی شریعت کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد پیغمبروں اور انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا جو لوگوں کو اس کے قوانین اور احکامات سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ وقت کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ ان احکامات اور قوانین میں وسعت آتی گئی۔ بعض احکامات منسوخ کر دیئے گئے، بعض من وعن قائم رکھے گئے۔ غرض یہ کہ توسیع و ترقی کا یہ سلسلہ نبی کریم تک جاری رہا۔ بالآخر آپ ﷺ پر اسلامی قانون کی تکمیل ہوگئی۔

﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ہ﴾ (سورۃ المائدہ: ۳)

ترجمہ: ''اور آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں، اور تمہارے

لئے اسلام کو دین پسند کیا"۔

اسی لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اسلامی قانون کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ہو گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اس امر میں جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ کہ اس قانون کی تکمیل آپ ﷺ پر ہوئی۔ پھر اس قانون نے ایک باقاعدہ علم کی شکل رسول اللہ ﷺ کے دور میں حاصل کی، اور علم فقہ کی بنیاد اسی دور میں پڑی۔ وہ منزل کے جس کے بعد اس میں انقلاب آگیں مراحل آئے، وہ تھی کہ جب درعہد صحابہ وتابعین، مملکت اسلامیہ کے طول وعرض میں مختلف فقہی مراکز کی بنیاد پڑی۔ اس کے بعد سے فقہ کی تاریخ جس تیزی سے آگے بڑھی وہ بے مثل ہے۔

فقہ کی تعریف : فقہ کے لغوی معنی "کسی چیز کا علم اور اس کا فہم" یا "کسی چیز کو جانچنے اور سمجھنے" کے لیے جاتے ہیں۔ علامہ جوہری (م۳۹۳ھ) کہتے ہیں: **الفقه الفهم ثم خص به علم الشريعه** ۔[1] (ترجمہ: فقہ کے معنی ہیں فہم، مگر بعد میں یہ لفظ شریعت کے لئے مخصوص ہو گیا)

علامہ زمخشری (م۵۸۳ھ) کے نزدیک : **والفقه حقيقةالشق و الفتح،والفقيه الذى يشق الاحكام وتفتش عن حقائقها و يفتح ما استغلق منها** ۔ [2] (ترجمہ: فقہ کے معنی ہیں پھاڑنا اور کھولنا، فقیہ وہ ہے جو احکام کا تجزیہ اور تحقیق کرتا ہے، حقائق کی تفتیش کرتا ہے، اور مبہم اور مغلق احکام کو کھول کر واضح کرتا ہے۔)

کسی بھی چیز کو سمجھنے اور جانچنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس سے پردہ اٹھایا جائے اور صحیح اور غلط کو الگ الگ کر دیا جائے۔ اس مناسبت سے لفظ فقہ، علم وفہم اور چیرنے پھاڑنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جبکہ اہل اسلام کے نزدیک فقہ، علم دین اور علم شریعت کو کہتے ہیں۔ یعنی دین اسلام کا گہرا اور تحقیقی علم، اور حق و باطل کی معرفت کا نام فقہ ہے۔ [3]

امام ابوحنیفہ سے فقہ کی تعریف اس طرح نقل ہوئی ہے: **الفقه معرفة النفس ما لها وما عليها** [4] (ترجمہ: فقہ نفس کو نفع پہنچانے والی، اور نقصان پہنچانے والی چیزوں کی پہچان کا نام ہے۔) گویا زندگی کے ہر شعبے میں حق و باطل، حلال وحرام، اور مفید ومضر کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت کا نام فقاہت ہے۔ قرآن پاک میں پورے دین اسلام کے علم کو فقہ کہا گیا ہے۔ مثلاً

﴿فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين﴾ (سورۃ التوبہ:۱۲۲)

(ترجمہ: پس کیوں نہیں نکلتا جہاد کے لئے ان کی جماعت میں سے ایک گروہ تا کہ دوسرے لوگ دین کا گہرا علم حاصل کریں)

قرآن مجید میں یہ لفظ متعدد بار آیا ہے،

و طبع علیٰ قلوبهم فهم لا یفقهون (التوبہ:۸۷)

ترجمہ: ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔

و ان من شیء الا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم (بنی اسرائیل:۴۴)

(ترجمہ: اور جتنی چیزیں ہیں سب اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کر رہی ہیں۔ مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔) ۵

ایک حدیث میں ہے، من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین ٦

(ترجمہ: اللہ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں فقاہت دے دیتا ہے)۔

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان رجالا یا تونکم من الارض یتفقهون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوابهم خیراً۔ ۷

(ترجمہ: کچھ لوگ تمہارے پاس مختلف علاقوں سے تفقہ فی الدین کے لئے آئیں گے۔ جب وہ آئیں تو ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا)۔

قرآن وسنت کی ان نصوص میں فقہ کی نسبت پورے دین کی طرف کی گئی ہے، صرف عملی اور فروعی احکامات کے ساتھ فقہ کو مخصوص نہیں کیا گیا یعنی اس میں کل اعتقادات (مثلاً ایمان) کل وجدانیات (اخلاق باطنیہ و ملکات نفسانیہ) اور کل عملیات (مثلاً صوم وصلوۃ) کی معرفت شامل ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ علم الکلام، علم اخلاق وتصوف اور علم معاملات سب فقہ میں شامل ہو گئے۔ ۸

یہ صورتحال عہد رسالت سے بنو امیہ تک رہی۔ بعد میں عہد عباسیہ آتے آتے علم الفقہ کی اصطلاح کو محدود کر دیا گیا اور اس علم کے لئے ''تشریع'' (یعنی قانون سازی) کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ اور علم فقہ کو علم الکلام کے معنوں میں استعمال کرتے ہوئے عبادات اور اعتقادات تک محدود کر دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے اسلام اپنی اصطلاح میں لفظ قانون شاید ہی استعمال کرتے ہوں۔ بلکہ ان کے درمیان، قانون کی جگہ لفظ شرع، شریعہ، اور حکم شرعی وغیرہ زیادہ مستعمل ہیں۔ ان کے نزدیک شریعت

میں شرع اس مذہب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ذریعہ نازل فرمایا۔ پس شارع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، جس نے شریعت اسلامی کے ذریعہ دین اور دنیا دونوں کے احکامات نازل فرمائے۔ اس لئے قدرتی طور پر علم فقہ میں عبادات اور معاملات دونوں سے بحث کی جاتی ہے، اور علمائے اصول علم فقہ کو علوم دینیہ میں شمار کرتے ہیں۔

علم فقہ کا ارتقاء : علم فقہ کے تاریخی ارتقاء کی تفہیم کے لیے اسے مختلف ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اس تقسیم کے لیے سب سے مناسب زمانی تقسیم ہوسکتی ہے کیونکہ اس طرح فقہ اسلامی پر پڑنے والے عصری حالات کی یکسانیت درست تجزیہ تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس مطالعے کے دوران علم فقہ کے پانچ ارتقائی مراحل بیان کئے جاسکتے ہیں:

(۱) عہد رسالت

(۲) عہد خلافت راشدہ و کبار صحابہ

(۳) عہد صغار صحابہ و تابعین (یعنی پہلی صدی ہجری کے اختتام تک)

(۴) تدوینی دور (یعنی تیسری صدی ہجری کے اختتام تک)

(۵) دورِ تقلید

(۱) عہد رسالت : رسول اللہ کے عہد میں گو کہ مدینہ میں ایک اسلامی معاشرہ قائم ہو چکا تھا اور اسلامی ریاست کی بنیادیں رکھی جا چکی تھیں تاہم تمدن اپنے ابتدائی دور میں تھا۔ قبائلی نظام سے ریاستی نظام کی طرف سفر شروع ہو چکا تھا تاہم طرز معاشرت و سیاست سادہ اور غیر پیچیدہ تھی۔ مسلمانوں کی ضروریات محدود اور ان کا طرز زندگی سادہ تھا۔ رسول اللہ کج بحثی اور زیادہ سوالات کو اس لیے ناپسند کرتے تھے کہ امت پر تنگی نہ ہو لہٰذا آپ کے دور میں اتباع ہی اتباع تھا۔ کہتے ہیں آپ کی وفات تک آپ سے کل تیرہ مسئلے دریافت کیے گئے جو سب کے سب قرآن میں ہیں۔ [۹]

عہد نبوی مسلمانوں کا دور قانون سازی ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر آپ کی وفات تک محیط ہے۔ یہ وہ دور ہے جب قرآن پاک نازل ہوتا رہا۔ خدا کا جو پیغام آپ کو وحی کے ذریعہ سے وصول ہوتا تھا، اسے آپ فوراً ایک ترتیب سے لکھوا لیتے تھے۔ نزول قرآن ۲۳ برس تک جاری رہا، اس

عرصے میں کوئی ضرورت پیش آتی تو رسول اللہ ﷺ اپنے اجتہاد سے بھی حکم دیا کرتے تھے، اسی کا نام فقہ ہے اور یہی علم فقہ کا سنگ بنیاد ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً

☆.....قرآن مجید نے ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا اور پاک چیزوں کو حلال قرار دیا، ان دونوں کے درمیاں مشتبہ چیزیں باقی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے تصریح فرما دی کہ ہر درندہ اور پنجہ دار جانور حرام ہے۔

☆.....قرآن مجید نے واجب زکوۃ مال کی تفصیل نہیں بتائی اور نہ ہی زکواۃ مفروضہ کی تعداد متعین کی۔ اس کی توضیح بھی رسول اللہ نے فرمائی۔

☆.....قرآن مجید میں حکم آیا کہ واقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (یعنی جہاں بھی مشرکوں کو پاؤ، قتل کردو) یہ حکم عام ہے اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں، لیکن آپ نے علت حکم پر قیاس فرما کر کہ مشرکین کے قتل کا حکم اس لئے ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور ضرر پہنچاتے ہیں، بوڑھوں، بچوں اور معذوروں کو اس سے مستثنیٰ کردیا کہ یہ ضرر پہنچانے پر قادر نہیں لہٰذا ان کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

☆.....قرآن مجید نے ماں، بیٹی اور دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کو حرام قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر قیاس کرکے فرمایا کہ بیوی کی پھوپھی اور خالہ کو بھی نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔ [10]

رسول اللہ ﷺ کی اسی سنت کی پیروی میں صحابہ کرام عہد رسالت میں بھی اجتہاد کیا کرتے تھے۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ یہاں صرف حضرت معاذ کے واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ جماعت ہورہی تھی اور سب قعدہ میں تھے۔ حضرت معاذ آئے اور قعدہ ہی میں شریک ہوگئے۔ سلام کے بعد اٹھ کر باقی رکعتیں پوری کرلیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قد سن لکم فھکذا فاصنعوا (یعنی معاذ نے تمھارے لیے ایک طریقہ نکالا ہے ایسا ہی کیا کرو)۔ [11]

عہد رسالت میں رسول اللہ ﷺ خود بھی اجتہاد فرماتے تھے اور بعض معاملات میں اپنی رائے اور قیاس سے حکم دیتے تھے اور صحابہ کو بھی اجتہاد کی اجازت تھی۔ لہٰذا وہ بھی رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔ چونکہ تمام اشخاص کی رائے اور قیاس کا اتحاد ممکن نہیں اس لیے استنباط میں اختلاف ہوجاتا تھا۔ یہ فقہ اسلامی کی ابتدا ہے، اس ابتدائی زمانے میں اس کے اصول کتاب، سنت اور قیاس تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات تک مسائل وقواعد وضوابط مدون نہیں ہوئے تھے جو کچھ تھا سینوں میں محفوظ تھا البتہ اسلامی فقہ کا بنیادی

ماخذ قرآن مکمل طور پر تحریر اور مرتب کیا جا چکا تھا۔

بعض مسائل و معاملات کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ حکم دیتے تھے، بعض میں اصحاب سے بھی مشورہ فرماتے تھے، شوریٰ کی یہ عزت ہر صحابی کے لئے نہ تھی بلکہ ان حضرات سے مشورہ کیا جاتا تھا جن کا علم و عقل اور تجربہ وسیع تھا۔ جب مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی اور اکثر اصحاب رسول کریم سے اچھی طرح مستفید ہو لئے تو حضور ﷺ نے ان میں سے بعض اصحاب کو فتوے اور اجتہاد کا مجاز کر دیا۔ ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ اُن سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں فتویٰ کون دیتا تھا۔ تو انہوں نے کہا کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ، کہ ان کے سوا میں کسی کو نہیں جانتا۔ ۱۲ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ رسول اللہ کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ۱۳ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ ضرورتیں بھی بڑھیں تو اس فہرست میں بھی توسیع ہوئی اب اس میں حضرات عبدالرحمٰن بن عوف، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عمار بن یاسر، حذیفہ بن یمان، زید بن ثابت، سلیمان فارسی بھی مجاز فتویٰ قرار دئے گئے۔ ۱۴ الغرض رسول اللہ ﷺ خود بھی اجتہاد فرماتے تھے اور رائے و قیاس سے حکم دیتے تھے، اور صحابہ کرام بھی انہی اصولوں پر اجتہاد کرتے تھے۔

قرآنی پیغام کی تشریح و توضیح اور اصلاح قوم کے سلسلے میں ملک کے بہت سے اچھے اور معقول رواجات کو جو آپ نے برقرار رہنے دیا یہ بھی قانون اسلامی کا بہت بڑا ماخذ ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ خود قرآن نے متعدد جگہ اس کا صراحت سے حکم دیا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ہر قول و فعل اور ہر امر و نہی واجب التعمیل اور لائق تقلید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت نبوی میں ہمیں صرف قرآنی احکامات ہی نہیں ملتے بلکہ دیگر امور بھی ملتے ہیں۔ قانونی احکام کچھ تو قرآنی اجمال کی تفصیل و تکمیل پر حاوی تھے تو کچھ نئے اور زائد احکامات تھے جو قرآن کے سکوت کے وقت دئے گئے تھے اور کچھ اچھے ملکی رسم و رواج، یعنی عرف کو برقرار رکھنے پر مشتمل تھے۔ پیش ہونے والے مقدمات کے فیصلے، روزمرہ نظم و نسق کا تذکرہ، حکام اور افسروں کو ہدایتیں، خصوصی خطبات و اعلانات، غرض ہزارہا اقسام کی چیزیں سنت میں موجود ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی قانون مباح امور کی فہرست مکمل نہیں کر سکتا، ایک بہتر نظام قانون، چند بنیادی خصوصیات کو واجب اور ضروری قرار دے کر اور ممنوعات کی فہرست کو مکمل کر کے باقی تمام چیزوں کو روا ۱۵ قرار دیتا ہے اور جن چیزوں میں بیک وقت متعدد حقوق قائم ہوتے ہیں ان کا تناسب بیان کر دیتا ہے۔ ۱۶

اہم معاملات میں استصواب، نگرانی، اور تصحیح کی ناگزیر ضرورت کے ساتھ ساتھ وسیع صوابدید کا حق خود رسالت مآب کی طرف سے افسران قانون کے لئے تسلیم کرلیا جانا، اور یہ ارشاد فرما کر کہ "تم لوگ اپنے دنیاوی امور کو زیادہ بہتر جانتے ہو" اپنے خالص جمالیاتی حکم کو منسوخ کر دینا ایک انقلابی لیکن فیصلہ کن نظیر تھی، ۱۷ جس کے باعث اسلامی قانون کے مستقبل نے اپنے متعلق مکمل اطمینان حاصل کرلیا۔

(۲) فقہ بعہد خلفاء راشدین و کبار صحابہ : رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حیرت انگیز سرعت سے اسلامی ریاست میں توسیع ہوئی۔ مختلف اقوام، مذاہب اور مختلف ملتوں کے افراد سے میل جول نے نئے نئے مسائل و واقعات کو جنم دیا۔ بعض مسائل ایسے تھے جن کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی حکم بہ تصریح موجود نہ تھا، اسی لئے اجتہاد کی ضرورت بڑھ گئی۔ استنباط مسائل کے معاملے میں خلفائے راشدین نے کمال احتیاط سے کام لیا۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو پہلے کتاب اللہ پر نظر کی جاتی، اگر اس میں حکم نہ ملتا تو اس کو مجلس صحابہ میں پیش کر دیا جاتا، تاکہ اگر کسی کو اس مسئلہ کے متعلق کوئی حدیث معلوم ہو تو بیان کرے، اگر سنت میں بھی مسئلہ کا حل نہ ملتا تو اسے جماعت کے مشورے اور رائے سے طے کیا جاتا، اس کو اجماع کہا جاتا ہے۔ ۱۸ اس مجلس کے ارکان وہ اصحاب ہوتے تھے جن کا ادراک و فہم اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ۱۹ گویا 'اجماع' ایک اور ماخذ فقہ تھا جو عہد خلافت راشدہ میں بروئے کار لایا گیا۔

صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر کی شخصیت ممتاز تھی، جہاں تک قانون کا تعلق ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی ان کو مدینہ منورہ میں مفتی مقرر فرما دیا تھا کہ جس کسی کو کسی مسئلہ کے متعلق قانون اسلام دریافت کرنا ہو، ان سے رجوع کرے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے نزدیک یہ وہ واحد شخص ہیں جو خود رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔ ۲۰ ایسی مثالیں بھی ہیں کہ جب خلیفہ اول حضرت ابوبکر نے خود اجتہاد کیا اور تمام مجلس نے اسے تسلیم کیا، اس کی ایک مثال مانعین زکوٰۃ کی بھی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد چند قبائل نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا تو حضرت ابوبکرؓ نے ان پر جہاد کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس پر اعتراض کیا اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی کہ،

"جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیا" ۲۱

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ مانعین زکوٰۃ پر اس لئے جہاد کیا جائے گا کہ وہ نماز و زکوٰۃ میں فرق کرتے ہیں حالانکہ دونوں حقوق اللہ ہیں، اس اجتہاد کو سب نے پسند کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث کے وہی

معنی اور مطلب معتبر ہیں جو مجتہد کے ذریعہ سے پہنچے۔ گویا حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ان اصول اجتہاد پر اجماع کا اضافہ ہوا اور پھر حضرت عمرؓ کے زمانے میں 'آثار سلف' کا اضافہ ہوا یعنی حضرت عمرؓ کسی مسئلہ میں ان اصولوں کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلے کو بھی تلاش کرتے تھے۔ گویا ان کے عہد سے کتاب، سنت، قیاس اور اجماع پر آثار سلف کا بھی اضافہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کا مفصل طریقہ کار اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ جو انہوں نے قاضی شریح کے نام لکھا اور ہدایت کی کہ قرآن وحدیث کے بعد اہل علم کے متفقہ فیصلے یعنی اجماع سے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس اجتہاد سے کام لو جو اہل علم پہلے کر چکے ہیں اور اگر اس میں بھی کچھ نہ پاؤ تو خود قیاس کرو۔ ۲۲ حضرت عمرؓ اس امر کی سخت نگرانی کرتے تھے کہ مقررہ اصحاب کے علاوہ کوئی اور فتویٰ نہ دے، تاکہ مسائل میں گڑبڑ نہ ہو۔ رائے اور قیاس کے دخل کا منطقی نتیجہ اختلاف رائے کی صورت میں سامنے آیا۔ رائے کا یہی اختلاف امت کے لیے کشادگی کا باعث بنا۔

اس دور کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صرف پیش آمدہ مسائل پر فتوے دیے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر کے اجتہادات سب سے زیادہ قابل توجہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے انہی اہم اجتہادات کی وجہ سے آپ کو مجتہد مطلق کہا ہے۔ ۲۳ کیونکہ آگے چل کر چاروں آئمہ فقہ عموماً انہی کی پیروی کرتے ہیں۔ کبار صحابہ اور خلفائے راشدین میں بھی قیاس کی وجہ سے کئی مواقع پر اختلاف رائے سامنے آیا اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ ۲۴ مگر کبار صحابہ کی ہر رائے میں ایک نہ ایک پہلو عقل اور مصلحت کا نظر آتا ہے اور اسی طریقے نے بعد میں آنے والوں کے لئے اساس کا کام دیا، تو آگے چل کر ان کے مختلف مسائل کے مطابق جغرافیائی ناموں سے منسوب فقہی مسالک کی بنیاد پڑی۔ چنانچہ اصحاب مدینہ، اصحاب العراق، اور اصحاب شام کا فرق اسی دور سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) عہد صغار صحابہ وتابعین : یہ دور اعتقادی پراگندگی کا دور ہے، مختلف فرقے مثلاً خوارج، شیعہ، مرجئہ اور معتزلہ وغیرہ ظہور میں آچکے تھے۔ اسی سے متعلق وضع حدیث کا فتنہ تھا۔ سیاسی طور پر گو کہ اموی خلفاء کی سیاست مستحکم تھی لیکن امت میں یکجہتی کا فقدان تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد ایک معاشرتی تبدیلی یہ آئی کہ صحابہ کرام مختلف شہروں میں پھیل گئے تھے۔ بہرحال صغار صحابہ کرامؓ اور تابعین کے دور میں، (یہ دور حضرت امیر معاویہؓ کے آغاز حکومت ۴۱ھ سے لے کر بنو امیہ کے زوال ۱۳۲ھ تک محیط ہے) ان کی رہنمائی کے لئے، صحابہ کرام نے فقہ کا ایک وافر ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑا جو براہ راست آپ کے اقوال وافعال سے

اخذ شدہ تھا۔ اس علم اور فقہ کے ذخیرے کو ان کے تلامذہ تابعین نے اپنے کندھوں پر اٹھایا۔ یہ تاریخ اسلامی کا وہ دور تھا کہ جس میں ایک طرف داخلی سیاسی سرگرمیاں اور گروہ بندیاں شدید تر ہوگئیں تو دوسری طرف ان کے سائے میں فقہی گروہ بندیاں بھی شروع ہوگئیں، اور مختلف مراکز فقہ ظہور میں آئے۔ صحابہ کرام کا علم ان کے تابعی شاگردوں میں منتقل ہوا مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا علم ان کے مولیٰ حضرت عکرمہؒ نے روایت کیا اور ان کا علم تفسیر حضرت مجاہدؒ نے، اسی طرح حضرت عمرؓ کا علم نقل کرنے والے حضرت سعید بن المسیبؒ اور ان کے دوسرے ہم عصر تابعی تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا علم محفوظ کرنے والے ان کے مولیٰ نافعؒ تھے۔ ادھر عراق میں جو صحابہ کرامؓ تشریف لے گئے انہوں نے وہاں حضرت عبداللہ بن مسعود کا علم پہنچایا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا علم اگلی نسلوں کو منتقل کرنے والے آل بیت وغیرہ تھے، ۲۵ یہ سب تابعین رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ، اقوال وتقریرات کے بارے میں مروی آثار کو نقل کرتے رہے، اور صحابہ کرام کا علم بھی نقل کرتے رہے۔ اگر ان میں اختلاف تھا تو صرف اس بات پر کہ اُن کے اقوال و فتاویٰ میں سے قابل ترجیح کون سا قول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تابعین ان امور میں اجتہاد سے بھی کام لیتے تھے جن کی بابت انہیں کہیں مسئلہ کا حل نہیں ملتا تھا۔ ان کے اجتہاد کے طریقہ کار میں جو اختلاف پایا جاتا تھا اس نے مختلف فقہی مراکز کو جنم دیا۔

ایک اہم سبب جس کی وجہ سے بعض شہروں نے باقاعدہ مراکز علوم وفنون کی صورت اختیار کی، وہ یہ تھی کہ حضرت عمرؓ کے بعد اصحاب رسول پر سے، مدینہ منورہ سے باہر جانے کی پابندی ختم ہوگئی تو یہ اصحاب رسول کثرت سے اسلامی شہروں کوفہ، بصرہ، یمن، دمشق اور فسطاط وغیرہ میں پھیل گئے۔ حتیٰ کہ یہ شہر انُ کا وطن بن گئے، ۲۶ انہوں نے یہاں اپنے اپنے علم کے مطابق لوگوں کو دینی امور کی تعلیم دی، بڑے بڑے تابعین ان کے علم کے وارث بنے اور اس طرح سے ایک علمی سلسلہ مختلف شہروں میں بیک وقت چل پڑا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ تابعین کے عہد میں، اسلامی دنیا میں سیاست کے انداز بدل چکے تھے۔ عہد رسالت اور خلافت راشدہ کی طرح اب سیاست و مذہب شیر وشکر نہیں رہے تھے، عہد رسالت اور خلافت راشدہ کی روایت تو یہ تھی کہ خلیفہ وقت سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبی امور اور فقہی مسائل کا بھی نگران ہوتا تھا لیکن تابعین کے عہد یا بالفاظ دیگر فقہ کے تیسرے دور تک آتے آتے صورتحال تبدیل ہوچکی تھی، اب نہ تو خلیفہ شریعت کا اتنا علم رکھتا تھا کہ فقہی امور پر بول سکے، اور نہ ہی علماء وفقہا ان خلفاء کی مذہبی استعداد کو تسلیم

کرتے تھے چنانچہ فقہ سے متعلق علوم کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی، مرکزی طور پر سیاسی حکومت کے بجائے، فقہ کے علاقائی مراکز نے لے لی۔

اس کے علاوہ شاخت (J.Schacht) ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عہد رسالت کے بعد خلفاء کے نزدیک دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ فقہی مسائل اور امور کو مرتب کرنا اور ان کو ایک ترتیب دینا اور دوسرا ان کو زیادہ سے زیادہ اسلامی روح کے قریب رکھنا عہد اموی میں چونکہ غیر اسلامی باتیں بڑھ گئیں تھیں اور بہت سے فقہاء، خلفائے بنوامیہ کی غیر اسلامی پالیسیوں پر نالاں تھے، لہٰذا عہد اموی میں بیان کئے جانے والے دونوں مقاصد میں سے آخر الذکر کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ ۲۷ یہ کام ذاتی طور پر نہیں کیا جا سکتا تھا، لہٰذا یہ کام انہی علاقائی فقہی مراکز میں ہونے لگا اور ان کو اسلامی تاریخ میں ایک قابل لحاظ جگہ حاصل ہوگئی۔ شاخت (J.Schacht) اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ''ان قدیم مراکز کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنے والا سب سے اہم عنصر، ان مراکز فقہ کا جغرافیائی اعتبار سے تقسیم ہو جانا ہے''۔ ۲۸

واقعہ یہ ہے کہ رحلت رسول اللہ ﷺ کے بعد پیش آمدہ مسائل اور ان کے حل کے لئے چونکہ نبی کی ذات دوٹوک فیصلہ کر دینے کے لئے موجود نہ تھی، اس لئے ان کا معمول ہوگیا کہ زیر غور قضیہ کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ میں حکم تلاش کرتے، وہاں جواب نہ پاتے تو سنت میں، اگر وہاں بھی نہ ملتا تو رائے اور اجتہاد سے کام لیا جاتا۔ ان کی مثال اس جج کی سی تھی جو ضابطہ تعزیرات اور قوانین کا پابند ہوتا ہے، لیکن اگر اسے مجموعہ قوانین میں کوئی ایسی دفعہ نہیں ملتی جو زیر غور مقدمے میں کام دے سکے، تو پھر جو اس کے نزدیک عدل و انصاف کا تقاضہ ہوتا ہے کہ اس کے مطابق فیصلہ دے دیتا ہے۔ اسی لئے اس فیصلے کو ''عدالت'' بھی کہا گیا ہے۔ ۲۹

یہی وہ راہ تھی جہاں سے صحابہ کرام دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک وہ جنہوں نے قرآن و سنت کے بعد اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لیا یہ آگے چل کر ''اصحاب الرائے'' یا ''اصحاب الدرایت'' کہلائے۔ دوسرا وہ گروہ تھا جس نے قرآن وسنت میں اپنی رائے کو قطعاً دخل نہ دیا، یہ آگے چل کے ''اصحاب الحدیث'' یا ''اصحاب روایت'' کہلائے۔ اس تقسیم نے فقہ کے دو بڑے مراکز کو جنم دیا ایک حجاز (یعنی مکہ و مدینہ) اور دوسرا عراق (یعنی کوفہ و بصرہ) اس اعتبار سے اہل عراق زیادہ تر اہل الرائے ٹھہرتے ہیں اور اہل حجاز زیادہ تر اہل الحدیث۔

اہل الحدیث : اہل حدیث خود کو اہل سنت میں شامل کرتے ہیں۔ چونکہ ان کی روش سنت نبوی اور سیرت صحابہ کی پیروی تھی، اس لئے ان کا نام اہل الحدیث ہوگیا۔ ۳۰ ان کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث اور سنت، اسلامی شریعت کا حقیقی سرچشمہ ہیں، وہ دین اور شریعت کے معاملات میں تقلید شخصی کے قائل نہیں۔ ۳۱ جیسا کہ پہلے بھی تذکرہ کیا گیا اہل حدیث کا مرکز حجاز تھا اور یہاں صحابہ کرام کے دور میں سب سے بااثر شخصیت حضرت عباسؓ کی تھی۔ ان کا اثر مکہ میں اتنا ہی شدید تھا جتنا کہ کوفہ میں ابن مسعود کا اور جس طرح اہل کوفہ اپنے مسائل کے حل کے لئے ابن مسعود اور ان کے متبعین کی طرف متوجہ ہوتے تھے، اسی طرح اہل مکہ اپنے مسائل کے حل کیلئے ابن عباس اور ان کے متبعین کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ۳۲

تابعین کے دور میں حضرت ابن عباس کے شاگردوں نے بہت شہرت حاصل کی ان میں مجاہد بن جبیر، عطا بن ابی رباح اور طاوس بن کیسان زیادہ مشہور ہوئے۔ بعدازاں ابن عباس کا علم ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں منتقل ہوتا رہا، تا آنکہ مکہ کے پانچویں طبقہ کے مشہور لوگوں میں سفیان بن عیینہ اور مسلم بن خالد زنجی تھے جن سے امام شافعی نے درس لیا۔ اسی مدرسہ فقہ میں اہل مدینہ کی صورتحال زیادہ مضبوط تھی۔ مدرسہ مدینہ کے موسس صحابہ میں بلا اختلاف، عمر بن خطابؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباس، اور حضرت عائشہ صدیقہ کا نام لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تابعین کا دور آیا تو انہی صحابہ کرام کی اولادوں یا شاگردوں نے مدرسہ مدینہ کی شان کو برقرار رکھا اور تابعین کے ہی عہد میں فقہائے سبعہ مدینہ ۳۳ کا ظہور ہوا۔ جنہوں نے جلد ہی بڑا امتیاز حاصل کرلیا۔ سخاوی نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینہ منورہ میں اس مجلس سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے۔ ۳۴ ان حضرات کے نام قابل ذکر ہیں۔

١۔ حضرت خارجہ بن زید بن ثابتؓ

٢۔ حضرت ابوبکرؓ کے پوتے حضرت قاسمؒ

٣۔ حضرت عروہ بن زبیرؒ

٤۔ سلیمان بن یسارؒ (بی بی ام سلمہ کے مولیٰ)

٥۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ

٦۔ سعید بن مسیبؒ

۷۔ ساتویں نام میں اختلاف ہے اور تین نام لئے جاتے ہیں، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عمرؓ کے پوتے سالمؒ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القرشی ۳۵

امام مالک کے نزدیک ''مدینہ کا علم ان (فقائے سبعہ مدینہ) کا رہین منت ہے۔ یہی فقہاء ہیں اور حاملان علم ہیں، دوسروں نے انہی کی اتباع کی۔'' ۳۶

ان کا مسلک یہ تھا کہ ان سے کوئی بات پوچھی جاتی اور اس کے بارے میں ان کو کوئی آیت اور حدیث معلوم ہوتی تو فتویٰ دے دیا کرتے ورنہ خاموش رہا کرتے۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ حجاز کے علاقوں میں احادیث کثرت سے موجود تھیں، لہٰذا یہ لوگ اسی پر اعتبار کرتے تھے، فرضی سوالوں سے سخت نفرت کرتے، حدیث کو بہت اہمیت دیتے حتیٰ کے ضعیف حدیثوں کو بھی قبول کر لیتے، وہ صحیح حدیث کی موجودگی میں قول صحابہ یا قول امام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اُن کے ہاں خبر واحد بھی عقائد و اعمال کے سلسلے میں حجت ہے۔

اہل الرائے : ابن القیم نے رائے کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے۔ ''غور و فکر کے بعد دل جس بات پر جم جائے کہ یہی درست فیصلہ ہے''۔ ۳۷

قرن اولیٰ میں یہ رجحان بھی پایا جاتا تھا کہ ''رائے'' پر اکابرین کا مشورہ لے کر اسے اجماع صحابہ کی شکل دے دی جائے۔ بعض اوقات ایک ہی مسئلہ پر مہینوں سوچ و بچار اور مشورہ کیا جاتا، یہاں تک کہ ان کے دل کسی ایک فیصلے پر مطمئن ہو جائے۔ بعض اوقات صحابہ کرامؓ اپنے ہی اجتہاد سے فیصلے دیا کرتے، مگر یہ فیصلہ حتمی اور آخری نہیں ہوتا تھا بلکہ دوسرے صحابہ کرامؓ ان میں مشورے دے سکتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ ایک قتل کے واقعہ میں حضرت عمرؓ کو تردد تھا کہ ایک آدمی کے قتل کے بدلے میں دو افراد قتل کئے جائیں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ ذرا غور فرمایئے اگر چند آدمی ایک ذبح شدہ اونٹ کو چرانے میں شریک ہو جائیں، کوئی اس کا ہاتھ لے جائے، کوئی پاؤں، کوئی سینہ تو کیا آپ ان سب چوروں کے ہاتھ نہیں کاٹیں گے؟۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ ضرور کاٹوں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پھر یہی معاملہ یہاں بھی ہے، چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک شخص کے قصاص میں دو افراد یعنی سوتیلی ماں اور اس کے دوست کو قتل کرا دیا۔ ۳۸

صحابہ کرام میں کئی نام ایسے ہیں جو اپنی رائے سے فتویٰ جاری کیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرات ابوبکرؓ صدیق، عمر فاروق، زید بن ثابت، ابی بن کعب، علی، اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنھم وغیرہ۔ لہٰذا یہ کہنا

کہ مدینہ میں صرف اہل الحدیث اصحاب پائے جاتے تھے، مناسب معلوم نہیں ہوتا، بلکہ یہ سلسلہ یعنی رائے کا استعمال تابعین کے عہد تک حجاز میں بھی نظر آتا رہا۔ یہ سچ ہے کہ مدینہ میں اہل الرائے اصحاب کی کمی تو نہ تھی لیکن تناسب کے اعتبار سے عراق میں اہل الرائے اصحاب زیادہ تھے۔ ۳۹ اس کی بھی کئی وجوہات تھیں مثلاً عراق ایک متمدن ملک تھا اور وہ بڑی حد تک ایرانی اور یونانی تہذیبوں سے متاثر تھا۔ مدنیت ایک قانون ساز کی نگاہوں میں ایسی بے شمار جزیات لے آتی ہے، جس کے لئے قانون وضع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے ساتھ ہی جب یہ سبب بھی مل جائے کہ اس علاقے میں حدیثیں کم پہنچی ہوں تو لامحالہ رائے کو کام میں لایا جائے گا۔ ابن خلدون کے بیان کے مطابق عراق میں احادیث کی قلت تھی کیونکہ احادیث بیان کرنے والے زیادہ تر حجاز میں تھے، عراقی علماء حدیثیں کم بیان کرتے اور قبول حدیث کے لئے اتنی کڑی شرطیں لگاتے کہ بہت کم حدیثیں ان کے معیار پر پوری اترتی تھیں۔ ۴۰

ایک اور سبب عبداللہ بن مسعود تھے، جن کا رائے کی طرف رجحان بہت زیادہ تھا اور اس معاملے میں وہ حضرت عمرؓ کے شاگرد تھے۔ اہل الرائے اصحاب کو بکثرت فروعات نکالنے کا شوق تھا، پیش آمدہ مسائل کے علاوہ پیش نا آمدہ مسائل پر بھی وہ اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے، چنانچہ ان کے ہاں یہ انداز نظر آتا ہے کہ اگر ایسا ہو، تو حکم یوں ہوگا اور اگر ایسا ہو، تو حکم یوں ہوگا۔ وہ مسائل کو تمام ممکن اور غیر ممکن صورتوں پر گھماتے تھے۔ حتیٰ کہ محدثین نے ان کو ''الارایتون'' (اگر مگر کرنے والے) کہنا شروع کر دیا تھا۔ ۴۱ بہرحال عراقیوں کے اس عمل نے آج کے بعض نئے پیدا شدہ مسائل کا حل بھی فراہم کر دیا ہے۔

(۴) فقہ کا تدوینی دور : اس دور کی ابتداء دولت عباسیہ کے قیام ۱۳۲ھ سے ہوتی ہے اور سقوط بغداد ۶۵۶ھ کے بعد اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس وقت فقہ ایک بالکل نئے دور میں داخل ہوئی اور منظم فقہی مسالک ظہور میں آئے۔ یعنی مذہب حنفی (امام ابو حنیفہ، م ۱۵۰ھ) مذہب مالکی (امام مالک، م ۱۷۹ھ) مذہب شافعی (امام شافعی، م ۲۰۵ھ) اور مذہب حنبلی (امام احمد بن حنبل، م ۲۱۴ھ) امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اہل الرائے کے پیشوا خیال کئے جاتے ہیں، امام مالک اور امام احمد بن حنبل معمولاً حدیث پر اعتبار کرتے تھے اور امام شافعی حدیث اور رائے میں تطبیق کی کوشش کرتے تھے۔ ۴۲ اہل حدیث کے نزدیک امام ابوحنیفہ اور امام مالک دونوں معہ اپنے مقلدوں کے اصحاب الرائے میں سے ہیں۔ ۴۳

ان کے علاوہ بہت سے فقہاء ایسے ہیں جن کے نام سے کسی مسلک کی بنیاد تو نہیں پڑی لیکن ان

کی عظمت مسلم تھی، مثلاً حماد بن ابی سلیمان، جو کہ امام ابوحنیفہ کے شیخ تھے۔ ربیعۃ الرائی، ابن شہاب الزہری اور یحییٰ بن سعید جو امام مالک کے شیخ تھے۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ اس دور میں اور بھی مذاہب تھے مثلاً یمن کا مذہب زیدیہ، امام زین العابدین کی طرف منسوب تھا۔ ایران و عراق کا مذہب اثنا عشری اور فرقہ اسماعیلیہ جو کہ حضرت اسماعیل بن امام جعفر صادق سے منسوب تھا، نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ البتہ آج جو مذاہب مٹ چکے ہیں ان میں خوارج، مرجیہ اور معتزلہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ چار اور اہم مسالک تھے جو ایک صدی سے زائد عرصہ تک مقبول اور مروج رہے ان میں امام اوزاعی (م ۱۵۷ھ) جو 'امام اہل شام' کہلاتے تھے، کا مذہب، لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ) جو 'امام اہل مصر' کہلاتے تھے، کا مسلک، داؤد ظاہری (م ۲۷۰ھ) کا مسلک ظاہریہ اور محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کا مذہب، اہم ہیں۔ یہ مسالک بعد میں دیگر مضبوط و مروج مسالک میں ضم ہو گئے۔

امام ابوحنیفہ : حنفی مذہب کے بانی، امام ابوحنیفہ کا نام نعمان بن ثابت تھا، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم تھا۔ آپ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا تھا اور عبداللہ بن حارث کو دیکھا تھا، جو صحابی رسول تھے اور رسول اللہ کی احادیث بیان کیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس بن مالک سے بھی احادیث سنی ہیں۔ ۴۴ تجارت ان کا آبائی پیشہ تھا، وہ خود ریشم کی تجارت کیا کرتے تھے اور زمانہ طالب علمی میں ہی ان کو "موسر" (مالدار) کہا جاتا تھا، ۴۵ ابتداً وہ حصول علم کی طرف متوجہ نہ تھے۔ امام شعبی کے مشورے سے اعلیٰ تعلیم پر توجہ کی اور بہت سے اساتذہ کے حلقہ درس میں شریک ہو کر علم حاصل کرنے لگے۔ امام صاحب ابتداً علم الکلام کی طرف متوجہ ہوئے مگر جلد ہی اپنے لئے علم فقہ کا انتخاب کر لیا اور پھر تمام عمر اسی کی نذر کی۔ فقہ کی تعلیم انہوں نے مدرسہ کوفہ میں حاصل کی، ان کے اساتذہ میں عطا بن ابی رباح، ہشام بن عروہ، نافع مولائے عبداللہ بن عمر شامل تھے۔ لیکن زیادہ تر علم انہوں نے اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان اشعری سے حاصل کیا تھا۔ ۴۶ حدیث کی تعلیم کے لئے کوفہ کے تقریباً تمام محدثین کی شاگردگی اختیار کی اور احادیث کا ایک خزانہ جمع کر لیا، اس کی تکمیل کی سند کے لئے مکہ معظمہ پہنچے اور یہاں عطا بن رباح کے وسیع حلقہ درس میں شامل ہو گئے، اس کے علاوہ عکرمہ مولائے عبداللہ بن عباس، امام اوزاعی اور مکحول شامی سے حدیث کی سند لی۔ امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ ان کے شیوخ حدیث بے شمار ہیں اور انہوں نے

تقریباً چار ہزار اشخاص سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ۴۷

امام صاحب احادیث قبول کرنے کے معاملے میں بڑے متشدد تھے اور احادیث اور حدیث کے راویوں کے بارے میں بڑی احتیاط اور چھان بین سے کام لیتے تھے اور اس وقت تک حدیث نہ لیتے جب تک کہ اسے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والوں کی تعداد معتد بہ اور متواتر نہ ہو اور اس پر عمل کرنے کے بارے میں اسلامی ممالک کے فقہاء کا اتفاق رائے نہ ہو گیا ہو۔ آپ کو اپنی قانون سازی کی قوت تامہ، قوت استدلال، خوبی کلام اور دقت استنباط کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اہل رائے کے اسکول فقہ کے امام تسلیم کئے گئے۔ آپ کے مدون شدہ مسائل کی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ ۴۸ امام ابوحنیفہؒ کا طریقہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ پیش کرتے اور ہر ایک کی معلومات، اس کے حل کے لئے دریافت کرتے، اور ساتھ ہی اپنی رائے بھی پیش کرتے، کبھی کبھی مہینہ بھر یا اس سے بھی زیادہ مناظرہ جاری رہتا پھر جب کسی رائے کے دلائل پوری طرح واضح ہوجاتے تو ان کے شاگرد امام ابو یوسف اس کو لکھ لیتے، امام ابو حنیفہ نے دیگر آئمہ کرام کے برخلاف، انفرادی کوشش اور تنہا رائے کی جگہ اپنے مذہب کو مشورے پر منحصر کر دیا تھا۔ ۴۹

ایک دفعہ کسی نے امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا کہ فلاں مسئلہ پر صحابہ کرامؓ تک ایک رائے پر متفق نہیں ہو سکے تھے، آپ نے کیسے قطعی رائے قائم کرلی؟ امام صاحب نے فرمایا "کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں نے یوں ہی رائے قائم کرلی؟ میں نے اس مسئلہ پر پورے بیس سال غور وفکر کیا، اس کے مماثل چیزیں ڈھونڈیں، اور ہر صحابی کے قول کی اصول مسئلہ پر جانچ کی" ۵۰ امام ابوحنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب الفرائض اور کتاب الشروط وضع کیں، ان سے پہلے اس موضوع پر مستقل بحث کسی نے نہ کی تھی، علاوہ ازیں انہوں نے کتاب السیر بھی مرتب کی جس میں قوانین جنگ وامن سے بحث کی گئی تھی۔ فقہ کی تدوین کے لئے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے، جن کی تعداد کم از کم ایک ہزار بتائی جاتی ہے، ۴۰ نامور اشخاص منتخب کئے اور ان پر مشتمل ایک مجلس بنائی۔ جس نے فقہ کے ایک علمی دائرہ اور ادارہ کی حیثیت حاصل کرلی اور امام صاحب کی سرکردگی میں تقریباً ۳۰ سال تک کام کیا۔ ۵۱

فقہ کے باب میں کوئی کتاب امام ابوحنیفہ کی نہیں ملتی۔ مگر ابن ندیم نے ان کی چند کتابوں کا تذکرہ کیا ہے مثلاً کتاب **فقہ اکبر**، یہ کتاب عقائد پر ہے۔ دوسری تصنیف **العالم والمتعلم**، یہ سوال و

جواب کا ایک چھوٹا سا رسالہ تھا اور تیسری کتاب الرد علی القدریہ، یہ سب کتابیں ہمارے عہد تک نہیں آسکیں۔ فقہ حنفی کو پھیلانے میں آپ کے لائق شاگردوں نے بڑا کام کیا۔ خصوصاً امام ابو یوسف جو خلفاء مہدی، ہادی اور پھر ہارون کے عہد خلافت میں عہدہ قضاء پر فائز تھے۔ ان کی وجہ سے مملکت اسلامیہ کے طول وعرض میں حنفی فقہ خوب پھیلا۔

امام مالک بن انس : اس دور کے فقہاء میں ایک اور ممتاز نام امام مالک بن انس کا ہے۔ آپ کے دادا ابو عامر اصحاب رسول میں سے تھے اور بجز غزوہ بدر تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے۔ امام مالک اندازاً ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ۵۲ اور ۸۵ سال کی عمر میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ آپ عربی نژاد تھے اور تمام عمر مدینہ منورہ میں ہی گزاری۔ امام مالک کو متفقہ طور پر امام فی الحدیث اور امام فی السنہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے بھی یاد کیا گیا۔ آپ تعامل اہل مدینہ کے بھی قائل تھے، یعنی حدیثوں کے بعد اہل مدینہ کے عمل کو حجت اور سند کا درجہ دیتے تھے۔ ۵۳ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی کبھی حدیث کو اس بنا پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس پر عمل نہیں ہوا۔ ۵۴

امام مالک نے قرآن کی تعلیم نافع بن ابی نعیمؒ سے حاصل کی اور ربیعۃ الرائی سے دوسرے علوم حاصل کئے۔ حدیث کی سماعت بہت سے شیوخ مدینہ سے کی تھی جن میں ابن شہاب الزہری اور نافع مولائے عبداللہ بن عمرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور پھر بہت جلد امام مالک نے وہ مقام حاصل کرلیا کہ بڑے بڑے محدثین نے اُن سے حدیث سنی اور فقہاء کی کثیر تعداد نے اُن کا اتباع کیا، آپ میں دو خوبیاں تھیں ایک تو وہ محدث تھے، دوسرے مفتی اور مجتہد بھی، پہلی صفت کی بناء پر خود ان کے بڑے بڑے شیوخ نے ان سے روایت کی ہے۔ اس کے علاوہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسف، امام اوزاعی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام شافعی اور محمد بن حسن شیبانی وغیرہ نے بھی ان سے روایت کی ہے اور دوسری صفت کی بناء پر ان کے مذہب کے بڑے بڑے علماء نے مسائل کو لیا ہے۔ ۵۵ اُن کی مشہور زمانہ کتاب ''الموطا'' ہے۔ موطاء کے بارے میں مشہور تو یہ ہے کہ وہ حدیث کی کتاب ہے مگر درحقیقت وہ فقہ کی کتاب ہے موطاء کا مقصد تصنیف، حدیثوں کو جمع کرنا نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد قانون سازی کے نتائج کو حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بیان کرنا تھا۔ چنانچہ اس کتاب میں ہمیں ان کے شخصی فتاویٰ اور بعض مسائل میں ان کی آرا ملتی ہیں۔ ان کی ایک اور کتاب ''المدونہ'' بھی ہے۔ جو فقہ پر ان کے چند مسائل کا مجموعہ ہے، جس

میں ۳۶ (چھتیس) ہزار مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ ۵۶

امام شافعی : اسی دور کے ایک اور ممتاز فقیہ ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی بھی تھے۔ آپ ۱۵۰ھ میں عسقلان (غزہ) میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ ۵۷ انہوں نے فقہ کی جغرافیائی تقسیم کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ وہ بیک وقت فقہِ عراق وحجاز کے جامع تھے، گو کہ ان سے ایک نیا فقہی مذہب چلا لیکن آپ ہی کی ذات تھی جس کی وجہ سے چاروں مذاہب میں ربط تھا۔ وہ اس طرح کہ امام شافعی نے امام مالک سے علم حاصل کیا، عراق جا کر ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد سے تحصیل علم کیا، اور امام احمد بن حنبل جو چوتھے مذہب کے بانی تھے وہ خود امام شافعی کے شاگرد تھے۔ ۵۸

امام شافعی نے حصول علم کے لئے متعدد سفر کئے اور مکہ، مدینہ، عراق، اناطولیہ، شام، فلسطین، رملہ، اور مصر کے درمیان سفر کرتے رہے، اور مختلف علاقوں کے علماء وفقہاء جو وسائل آمد ورفت کی کمی کے باعث ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھ سکتے تھے، ان کے ذریعہ ایک دوسرے کے قریب آئے۔ فقہ میں ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ جن میں کتاب المبسوط فی الفقه اور کتاب الام بہت مشہور ہیں۔ ان کی کتاب الرساله دراصل اصول فقہ پر پہلی کتاب ہے۔ اس کے ذریعہ فقہاء کو ایک نیا ضابطہ اجتہاد واستنباط مل گیا۔ اس سے قبل فقہ اور اجتہاد تو تھا مگر اس کے اصول متعین نہیں تھے۔ چنانچہ جب امام شافعی نے اصول فقہ وضع کئے تو ادلہ شرع کے مراتب کی معرفت آسان ہوگئی۔

امام احمد بن حنبل : امام شافعی کے شاگردوں میں اولوالعزم فقیہ امام احمد بن حنبل تھے۔ آپ ۱۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں انتقال کیا ۵۹ آپ امام شافعی کے شاگرد تھے، بعد میں خود مجتہد ہوگئے۔ امام احمد بن حنبل خبر واحد کو بھی قبول کر لیتے تھے، اور اقوال صحابہ کو قیاس پر مقدم رکھتے تھے۔ اسی لئے ان کو اہل حدیث کہا گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ وہ محدث سے زیادہ فقیہ تھے۔ ان کی مسند چھ جلدوں میں ہے اور اس میں تقریباً چار ہزار احادیث ہیں۔ ۶۰ امام شافعی نے مصر جاتے ہوئے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں بغداد سے جا رہا ہوں لیکن مجھے اطمینان ہے کہ یہاں احمد بن حنبل موجود ہیں، جن سے زیادہ فقیہ اور پرہیزگار اس وقت بغداد میں کوئی دوسرا نہیں۔ امام احمد بن حنبل بھی باقاعدہ ایک مسلک کے بانی ہوئے ان کے پیرو عراق، شام، بغداد، نجد، اور بحرین میں پائے جاتے ہیں۔

مسئلہ خلق قرآن پر امام احمد بن حنبل نے جو موقف اختیار کیا تھا اس سے ان کی غیر معمولی اولوالعزمی اور مذہب میں ان کی پختگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ۲۱۸ھ سے جب کہ مامون نے خلق قرآن کی دعوت شروع کی، ۲۳۳ھ تک، جب تک کہ متوکل نے اس مسئلہ کو ختم کیا، کامل پندرہ سال تک امام احمد بن حنبل سختیوں کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہے۔ ٦١ امام حنبل سے فقہاء اسلام کی ایک جماعت نے حدیث کی تعلیم پائی تھی۔ ان میں ممتاز حضرات امام بخاری اور امام مسلم تھے۔ ٦٢

ان کے مسلک کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ وہ اجتہاد بالرائے کو بالکل نہیں مانتے تھے، اور فقط قرآن وحدیث کو سند مانتے تھے۔ طریقہ اہل الحدیث میں اس شدت کے باعث، بعض لوگوں نے انہیں فقیہ کے بجائے محدث کہا ہے۔ ابن القیم نے ان کے مسلک کے پانچ اصول بتائے ہیں۔ اول قرآن وحدیث، دوم صحابہ کرام کے فیصلے اور اقوال (بشرطیکہ قرآن وسنت کے مطابق ہوں) مرسل اور ضعیف احادیث بھی سند ہیں، اور سب سے آخر میں قیاس، جس کا استعمال انتہائی ناگزیر حالات میں کیا جانا چاہئے۔ ٦٣ حنبلی مسلک کی روایت کرنے والوں میں ابن راھویہ المروزی، ابو القاسم الخرقی، ابن تیمیہ، ابن القیم وغیرہ اہم ہیں۔ اٹھارویں صدی میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (م ۱۲۰٦ھ) نے اس مسلک کی اشاعت کی۔ چنانچہ آل سعود کا یہی مسلک ہے۔ ٦٤

(۵) دورِ تقلید : تیسری صدی ہجری ختم ہوجانے کے بعد اسلامی دنیا میں کوئی شخص اپنے آپ کو فقہ میں اہل الرائے (مجتہد) تسلیم کرانے میں کامیاب نہ ہوا۔ ماسوا اس کے کہ مختلف فقہاء کی جماعتیں یکے بعد دیگرے ان کاموں کی تفصیل میں مصروف رہیں، جو مذاہب اربعہ کے بانیوں بالخصوص امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی، اس فن کے اصولی اور مادی شعبوں میں کر گئے تھے۔ مادی شعبوں میں ان لوگوں نے اپنی توجہ ان خصوصی مسائل کی طرف مبذول کی جن پر آئمہ مذہب یا ان کے خاص شاگردوں نے بحث نہیں کی تھی، اور وہ محض بانیان مذاہب کی رائے جمع کرتے اور مرتب کرتے رہے۔ احناف میں یہ کام چھٹی صدی ہجری تک ہوتا رہا۔ مزید بعد کے زمانے میں آنے والے فقہاء نے اس معاملے میں اپنے فرائض کے دائرے کو مزید تنگ کرلیا اور محض اس امر کی تحقیق میں مصروف رہے کہ مذاہب اربعہ یا ان کے شاگردوں نے جو مختلف آراء دی ہیں، ان میں سے کون سی رائے زیادہ صحیح ہے اور ان فقہاء میں باہم اختلاف کی صورت میں کس کی رائے کو مفتی بہ قرار دینا چاہئے۔ فقہاء کے اس گروہ میں آخری فقیہ صدر الشریعت ہوئے، جن کا

زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے۔(م۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء)۔ ٦٥

دسویں صدی کی ابتداء سے صورتحال یہ بنی کہ ایک غیر محسوس اعلان کر دیا گیا کہ کسی فقیہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کوئی بات پسند کرے یا کسی بات کو کسی بات پر ترجیح دے، اسلاف کا زمانہ گزر گیا اور اب لوگوں اور متقدمین کی کتابوں کے درمیاں حد فاصل قائم ہو چکی ہے، اور اب ان کو صرف ان کتابوں پر اکتفا کرنا چاہئے جو ان کے سامنے موجود ہیں۔ یوں علماء کے نفوس میں تقلید محض کی روح بیٹھ گئی۔ ٦٦ اور جمود کی کیفیت پیدا ہوئی۔ آج اگر فقہ کے میدان میں کوئی جید عالم یا فقیہ پیدا نہیں ہوتا تو اس کی ایک بڑی وجہ یہی تقلید محض کا رجحان ہے جو علماء کرام کے دلوں میں عقیدہ کی حد تک جم چکا ہے۔ دوسری بڑی وجہ ہمارے اسلاف کی کتابیں ہیں جن کا مطالعہ نہایت مشکل تصور کیا جانے لگا ہے، جس نے ہمارے اور ان علماء کی کتابوں کے درمیاں انقطاع تعلق کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ اب لوگوں نے ان کتابوں پر قناعت کر لی ہے جو تنزل کے زمانے میں لکھی گئیں۔ پھر ایک اور سلسلہ جو مذاہب اربعہ کے ظہور کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا وہ آئمہ کے کلام میں اختصار تھا۔ ابتداً اختصار کا طریقہ کار یہ اختیار کیا گیا کہ ان مسائل کو جن کی زیادہ ضرورت نہ ہوتی ان کو حذف کر دیا گیا اور آئمہ نے جن مسائل کو غیر مرتب لکھا تھا اُن کو مرتب کر دیا۔ بعض جلیل القدر علماء نے بھی اس معاملے میں ان کی تقلید کی۔ بعد میں اختصار کی ایک اور نئی شکل پیدا ہو گئی، وہ شکل یہ تھی کہ بہت سے مسائل کو تھوڑے الفاظ میں جمع کر دیا گیا، چونکہ عربی زبان سہل نہیں اس لئے یہ مختصر کلام ایک معمہ بن گیا۔ سوائے ابو حنیفہ کی بعض متداول کتابیں جیسے ہدایہ اور اس کی شرح، میں دلائل اور اختلافات سے بحث کی گئی ہے، لیکن شافعی اور مالکی مذاہب کی کتابوں میں یہ بات نہ ملے گی۔ ٦٧ دلیل کے بغیر فقہ ادھورا ہے جب تک طالب علم یہ نہیں جانتا کہ امام نے مسئلہ کس دلیل سے لیا ہے، وہ اس علم میں کورے ہی رہیں گے اور ان پر فہم کا دروازہ بند ہی رہے گا۔

فقہ کے ارتقاء پر جمود طاری ہونے کی ایک اور وجہ علماء کرام کے درمیاں دوری کا بڑھ جانا بھی تھا، گزشتہ عہد میں کسی عالم کو اس وقت تک فقیہ کا لقب نہیں ملتا تھا جب تک کہ وہ سفر اختیار نہ کرتے اور دیگر شہروں کے علماء سے ملاقات نہ کرتے اور ان سے استفادہ نہ کرتے (سوائے چند علماء کرام کے، کہ جن کی علمی تبحر کا اعتراف، اپنے شہروں میں رکے رہنے کے باوجود کیا گیا)۔ آہستہ آہستہ یہ روش ختم ہونے لگی اور وہ دور جسے ہم تقلید کا دور کہہ رہے ہیں، اسلامی شہروں کے علماء کے درمیان انقطاع تعلق کا دور ثابت ہوا۔ اس

طرز عمل نے اُن علوم پر جن میں روایت اور ملاقات کی ضرورت ہوتی، ضعف ڈال دیا۔

لیکن آج نئے نئے مسائل کے ظہور کے پیش نظر بہت سے نئے سوالات ابھرتے ہیں، خصوصاً ان مسائل کے وہ پہلو جو مغربی دنیا کے معاشرتی نظامات ونظریات کے زیر اثر سامنے آتے ہیں جس نے تقریباً تمام پہلوؤں میں گہری تبدیلی پیدا کی اور سوچنے اور سمجھنے کے انداز یکسر بدل گئے ہیں۔ ان اثرات کے تقاضوں سے کم وبیش ڈیڑھ سو سال سے اسلامی فقہ پر کچھ نئی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اور انہی نئے نئے مسائل کے بارے میں فقہ کی نئی تشکیل کے بارے میں سوچا جاتا رہا۔ مذکورہ ڈیڑھ صدی میں عراق، شام، مصر اور ترکی میں اس سلسلے میں کچھ کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ مثلاً ترکی کے مجلہ الاحکام السلطانیہ ۶۸ کی تدوین اس کی اچھی مثال ہے۔

ہندوستان میں مسلمان سلطنتوں نے اکثر و بیشتر حنفی فقہ سے کام لیا ہے، اور کئی مشہور فتاویٰ کے علاوہ، اس سلسلے میں سب سے زیادہ قابل ذکر کام فتاویٰ ہندیہ یا فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے جو اورنگزیب کے حکم سے ایک مجلس فقہاء نے انجام دی۔ یہ کام فقہ حنفی میں مشترک فیصلوں اور متفقہ احکام کی جستجو کی غرض سے کیا گیا تھا۔ ۶۹

جدید تر دور میں ان احکامات پر غور کرنے والوں میں عرب دنیا سے متعلق محصانی، علی حسن بن عبدالقادر عودہ، احمد مصطفیٰ زرقا، سید قطب شہید، ابوزہرہ، استاد دوالیبی اور دوسرے ماہرین قانون وفقہ شامل ہیں ۷۰ ان ماہرین میں سے تقریباً ہر ایک نے فقہ کی تشکیل نو کی تجاویز پیش کی ہیں، مگر تمام تر قیود کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ نئی تشکیل کے وقت، مذاہب اربعہ کے اندر مقید ہوئے بغیر، جملہ مذاہب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک متفقہ مجموعہ تیار کیا جائے تاکہ اگر ایک مسلک میں کچھ ضعف محسوس ہو تو دوسرے مسالک فقہ سے استفادہ کر لیا جائے، ۷۱ لیکن ایسا نہ ہو سکا، دراصل توسیع کے مسئلہ کا اجتہاد سے گہرا تعلق ہے اور اجتہاد کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ اول عقیدہ تقلید (یعنی کسی ایک امام کی غیر مشروط پیروی) جو صدیوں سے راسخ ہے۔ دوم اجتہاد کے سلسلے میں مجتہد کی اہلیت کا سوال۔ مشکل یہ ہے کہ جہاں جدید الخیال لوگ اجتہاد کا دروازہ مطلقاً کھول دینا چاہتے ہیں، اور ہر خواندہ کو اجتہاد کا حق دینا چاہتے ہیں، وہیں دوسری طرف قدیم الخیال لوگ اتنی ہی شدت کے ساتھ سابقہ فیصلوں پر جمے رہنا چاہتے ہیں، اور مجتہد کے لئے ایسی شرائط اور ایسے معیارات قائم کرنا پڑتے ہیں، جن کا پورا ہونا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اجتہاد کا

راستہ ہنوز بند ہے اور نئے مسائل پر کوئی ناطق فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ موجودہ صدی میں جب کہ دنیا لمحوں کے فاصلے پر آگئی ہے، برقی خط و کتابت، برقی کتابوں اور برقی لائبریریوں کے بعد کم ز کم علماء کرام کے درمیاں یہ انقطاع تعلق ختم ہو جانا چاہیئے۔ اب اپنے ہی شہروں میں رہ کر ہزاروں کوس کی مسافت پر، موجود علماء و فقہاء سے مسلسل رابطے میں رہا جا سکتا ہے، اور علمی دوریاں کم کی جا سکتی ہیں۔ وہ مقصد جس کے حصول کے لئے ہمارے اسلاف گھر بار چھوڑ کے عموماً سفر میں رہتے تھے، اور سالوں بعد گھروں کو لوٹتے تھے سائنس نے اس مقصد کو حاصل کرنے کا راستہ سہل ترین کر دیا ہے۔ ضرورت اس جذبہ اور حوصلہ کی ہے جو جمود سے تحرک اور تقلید سے اجتہاد کی طرف سفر کا آغاز کرے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔جوہری 'الصحاح' (بیروت،۱۹۸۴)ج ٦ ۔ ص۲۲۴۲۔

۲۔زمخشری، جاراللہ 'الفائق فی غریب الحدیث' (بیروت ۱۹۷۹ء) ج ۳، ص ۱۳۴

۳۔ظہورالحسن، قاضی 'تاریخ فقہ' (حیدرآباددکن ۱۳۵۲ھ) ص۵

۴۔صدرالشریعۃ 'تنقیح الاصول متن التوضیح' (بیروت، دارالکتب العلمیہ، ت ن) ج ۱،ص۱٦

۵۔قرآن پاک میں یہ لفظ ان آیتوں کے علاوہ، کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔مثلاً سورۃ ھود آیت نمبر۹۱، سورۃ طٰہٰ آیت نمبر۲۸، سورۃ انعام آیت نمبر۲۵

٦۔صحیح بخاری، کتاب العلم، حدیث نمبر ۷۱ (دارلاشاعت،کراچی۲۰۰٦ء) ج ۱، ص۹۴

۷۔جامع ترمذی ، کتاب العلم ،حدیث نمبر۲٦۵۰ (ریاض،۱۹۹۹ء)

۸۔دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ' فقہ' (دانشگاہ پنجاب،لاہور۔طبع اول) ج ۱۵، ص۳۹۵

۹۔ظہورالحسن،قاضی ،'تاریخ فقہ' ص۱۳

۱۰۔خضری، علامہ شیخ محمد 'تاریخ فقہ اسلامی' ترجمہ،مولانا محمد حبیب اللہ (دارلاشاعت کراچی ۱۹۷۸ء) ص٦۴۔ نیز قاضی ظہورالحسن 'تاریخ فقہ' ص٦

۱۱۔قاضی ظہورالحسن 'تاریخ فقہ' ص۱۱ (بحوالہ مسند احمد ابن حنبل)

۱۲۔محمد بن سعد، 'طبقات ابن سعد' اخبارالنبی (نفیس اکیڈمی،کراچی،ت ن) ج۲ ، ص۴۵۲

۱۳۔ایضاً ص۴۵۲

۱۴۔تاریخ فقہ ص۸

۱۵۔''روا'' یا ''مباح'' کے معنی یہ نہیں کہ اسے ضرور کیا جائے ، بلکہ وہ ہر شخص کی صوابدید، اس کے ذوق سلیم اور اس کے خصوصی حالات پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ورنہ صرف دو آدمیوں کے بلکہ ایک ہی آدمی کے ، دو مختلف اوقات کے طرز عمل میں اُن کے متعلق اختلاف ہوسکتا ہے۔(ڈاکٹر حمیداللہ 'امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی' ص۲۰)

۱٦۔حمیداللہ، ڈاکٹر محمد، 'امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی' (اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی۱۹۸۳ء) ص۲۰

۱۷۔ایضاً

۱۸۔تاریخ فقہ ص۱۵

۱۹۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد خلافت میں حضرات عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، معاذ، اُبی بن کعب، اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنھم اہل فقہ تسلیم کئے گئے (طبقات ابن سعد، ص۴۵۲ ومابعد)

۲۰۔امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی ، ص ۲۵

۲۱۔صحیح بخاری، کتاب الایمان، حدیث نمبر ۲۴

۲۲۔دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۴۰۵

۲۳۔الخضری، تاریخ فقہ اسلامی، ص ۱۷۳

۲۴۔مثالوں کے لئے رجوع کیجئے، دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، مقالہ فقہ۔ طبقات ابن سعد، ج ۲ اور خضری کی تاریخ فقہ اسلامی

۲۵۔ابوزہرہ، علامہ، ''تاریخ فقہ اسلامی کا تجزیاتی مطالعہ'' ترجمہ معراج محمد بارق (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ت ن) ص ۲۸

۲۶۔ایضاً ، ص ۲۹

۲۷۔J.Schacht "The Origions of Mohammad Jurisprudence", Oxford 1950 page 283

۲۸۔J.Schacht, page 07

۲۹۔امین احمد، مصری 'فجر اسلام' (دوست ایسوسی ایٹ، لاہور، ۲۰۰۷ء) ص ۲۹۶

۳۰۔محمد ابراہیم، میر 'تاریخ اہل حدیث'' ص ۷۹

۳۱۔دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۳ ، ص ۵۸۰

۳۲۔J.Schacht, page 249,250

۳۳۔یہ سات ماہرین کی کمیٹی تھی، عملی طور پر قانون سازی ان کے ہی ہاتھ میں تھی۔قاضی بھی ان کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں دیتے تھے۔

۳۴۔امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، ص ۲۷

۳۵۔ایضاً، ڈاکٹر حمید اللہ کے خیال میں چونکہ یہ تینوں مشہور فقیہ تھے، لہذا بہت ممکن ہے کہ کمیٹی کے ارکان کے انتقال پر دو نئے اراکین اس کمیٹی میں شامل کر لئے گئے ہوں۔

۳۶۔ابوزہرہ، 'امام مالک' مترجم عبید اللہ قدسی (لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۱۶۵

۳۷۔فجر اسلام ، ص ۲۹۶

۳۸۔دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۲/۱۴ ص ۲۲۹

۳۹۔احمد تیمور پاشا، علامہ، 'فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ' ترجمہ معراج محمد بارق (کراچی ۱۹۶۹ء) ص ۶۹

۴۰۔فجر اسلام، ص ۳۰۱

۴۱۔ایضاً، ص ۳۰۲

۴۲۔حسن ابراہیم حسن، 'مسلمانوں کا نظم مملکت' مترجم محمد علیم اللہ، (دہلی ۱۹۴۷ء) ص ۳۱۸

۴۳۔دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ 'اصحاب الرائے' ج ۲ ،ص ۸۲۳

۴۴۔شبلی نعمانی،علامہ 'سیرۃ نعمان' (کراچی ،ت ن) ص ۶۲

۴۵۔امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، ص ۳۶

۴۶۔سیرۃ نعمان ، ص ۴۳

۴۷۔ایضاً ۶۲

۴۸۔دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵ ص ۳۴۲

۴۹۔امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، ص ۴۹

۵۰۔ایضاً

۵۱۔سیرۃ نعمان، ص ۲۲۶

۵۲۔دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ 'مالک بن انس' ج ۱۸، ص ۳۷۴

۵۳۔ایضاً، ص ۳۸۰

۵۴۔خضری بک،ص ۳۱۰

۵۵۔ایضاً

۵۶۔دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۸، ص ۳۷۶

۵۷۔فقہی مذاہب اربعہ کا فروغ، ص ۱۰۱

۵۸۔ایضاً

۵۹۔دائرہ معارف اسلامیہ، مادہ 'احمد بن حنبل' ج ۲ ، ص ۶۱ تا ۶۳

۶۰۔ایضاً

۶۱۔ایضاً

۶۲۔مسلمانوں کا نظم مملکت ، ص ۳۱۸

۶۳۔دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۱۵، ص ۴۱۳

۶۴۔ایضاً

۶۵۔عبدالرحیم، 'اصول فقہ اسلام' ص ۴۵

۶۶۔خضری بک،ص ۴۱۸

۶۷۔ایضاً،ص۴۲۳

۶۸۔مجلّہ احکام السلطانیہ ایک ملکی قانون تھا جو ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں مکمل کیا گیا اور اسے سرکاری طور پر شائع بھی کیا گیا۔ یہ ۱۸۵۱ دفعات پر مشتمل ہے، اور اس لحاظ سے فقہ کے عام اسلوب سے مختلف ہے کہ اس میں عبادات اور عقوبات کا حصہ شامل نہیں، بلکہ صرف تمدنی زندگی سے متعلق قوانین شامل ہیں اور ان میں توثیق کے بجائے ترمیمات زیادہ ہیں۔

۶۹۔تفصیلات کے لئے دیکھئے: اسحٰق بھٹی، محمد 'برصغیر پاک و ہند میں علم الفقہ' (لاہور، ۱۹۷۳ء)

۷۰۔مصطفےٰ زرقا، 'اسلامی قانون کا تاریخی ارتقا' (مشمولہ چراغ راہ، کراچی) اسلامی قانون نمبر

۷۱۔ایضاً

علامہ عبدالعزیز میمن

سوانح اور علمی خدمات

مولف: محمد راشد شیخ

قرطاس

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے مختلف ادوار میں عربی زبان کے کچھ ایسے ماہرین پیدا ہوئے ہیں جن پر ہندوستان بجاطور پر فخر کا حق رکھتا ہے۔ ابتدائی دور میں علامہ صغانی (م ٦٥٠ھ) نے عربی زبان میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ دنیا نے ان کا لوہا مانا۔ پھر بارھویں صدی کے اواخر میں عربی زبان سے واقفیت میں ایک عظیم ہندوستانی شخصیت سامنے آئی جن کا نام علامہ سید مرتضی بلگرامی زبیدی (م ١٢٠٥ھ) ہے۔ ان دونوں عبقری شخصیات کی زندگی کے اکثر ایام عرب ممالک میں گزرے لیکن ہمارے یہاں کی ایک تیسری شخصیت جن کی عربی دانی کا عرب دنیا نے بھی اعتراف کیا وہ علامہ عبدالعزیز میمن (١٣٩٨ھ/١٩٧٨ء) ہیں۔ زیر نظر کتاب علامہ عبدالعزیز میمن کی زندگی اور ان کی علمی خدمات پر محیط ہے اور اپنے موضوع پر سند کا درجہ رکھتی ہے۔

صفحات: ٦٣٢ (مجلد) قیمت: ٦٠٠

طبع اول: اکتوبر ٢٠١١ء

قرطاس

پرنٹرز، پبلشرز اینڈ بک سیلرز

فلیٹ نمبر ٢، پہلی منزل، عثمان پلازا، بلاک ١٣۔ بی، گلشن اقبال، کراچی۔ ٧٥٣٠٠

فون: 34822480 (021) موبائل: 0321-3899909

ای میل: saudzaheer@gmail.com

ویب سائٹ: www.qirtas.co.nr